احساس کے سائے

مشتاق نقوی

احساس کے سائے

مشتاق نقوی

تیرے غم کا چاند یا دوں کے ستارے مِل گئے
اِس اندھیرے میں بھی جینے کے سہارے مِل گئے

ہم سمجھتے تھے ہمیں ہیں کشتۂ جور و جفا
اک ذرا نکلے تو کتنے غم کے مارے مِل گئے

گُل پہ پابندی ہے پہرا ہے صبا کی چال پر
پھر بھی کلیوں کو بہاروں کے اشارے مِل گئے

اُن کا آنچل بڑھ رہا ہے میرے اشکوں کی طرف
ٹوٹنے والے ستاروں کو سہارے مل گئے

روند ڈالا ہے ہزاروں بادشاہوں کا جلال
دو گھڑی کو جب تری ٹھوکر کے مارے مل گئے

مائل جو آج کل نگہِ نیم باز ہے
وہ دل ٹٹولتے ہیں کہ کتنا گداز ہے

تاریکیوں میں وقت کی رفتار کھو گئی
یہ شامِ غم ہے یا تری زُلفِ دراز ہے

ٹوٹے ہزار جام شراب میں ڈوب کر
ملتا نہیں جو ان کی نگاہوں میں راز ہے

اب وہ ستم کریں کہ کرم ہم کو کیا غرض
دل ان کو دے کے عشق بہت بے نیاز ہے

تم تنگ جان کر اسے چاہو تو بھول جاؤ
ہم کو تو اب بھی اپنی محبّت پہ ناز ہے

اِک دِل ہے اور لاکھ تمنّا لئے ہوئے
بیٹھا ہوا ہوں قطرے میں دریا لئے ہوئے

دِل کی مسرّتیں تو گئیں دِل کے ساتھ ساتھ
اَب جی رہا ہوں غم کا سہارا لئے ہوئے

اظہارِ مدّعا نہ ہوا مجھ سے آج تک
اِک عمر کٹ گئی ہے تمنّا لئے ہوئے

تابانیٔ جمال سے نظریں نہ اُٹھ سکیں
بے پردگی بھی انکی ہے پردا لئے ہوئے

اکثر گذر گئے حدِ کون و مکاں سے ہم
دِل میں ترے خیال کی دُنیا لئے ہوئے

بہت پہنچے تو اُن کے کاکُل و رُخسار تک پہنچے
مگر عاشق نہ اب تک عشق کے معیار تک پہنچے

دبائیں دھڑکنیں آنکھوں کو جھٹلایا گیا برسوں
بڑی مشکل سے وہ انکار سے اقرار تک پہنچے

ابھی تو روشنی اُلجھی ہے تاریکی کے طوفاں سے
نہ جانے کب تلک اپنے دَر و دیوار تک پہنچے

چھڑاؤ گر چھڑا سکتے ہو دامانِ وفا ہم سے
مگر ایسا نہ ہو یہ بات بھی اغیار تک پہنچے

زباں کی آرزو میں ٹھوکریں کھاتے ہوئے نغمے
رباب و چنگ سے تلوار کی جھنکار تک پہنچے

جس میں ہر ہر قدم پہ خار نہیں میرے قابل وہ رہگذار نہیں

درد سے بے قرار تو ہیں مگر اور بنا درد بھی قرار نہیں

کوئی آواز دے رہا ہے مجھے دل یہ کہتا ہے بار بار نہیں

جان کر اجنبی بنو تو بنو تم پہ کیا ہے جو آشکار نہیں

دل کی کلیاں کھلیں تو بات بنے پھول کھلنا ہی تو بہار نہیں

اُن شہیدوں میں نام ہے اپنا
شمع بھی جن پہ اشکبار نہیں

مشتاق نقوی صاحب سے دیرینہ مراسم و روابط کے باوجود مدت تک یہ نہ جان سکا کہ وہ شعر بھی کہتے ہیں موصوف کے علم و فضل۔ بلندئی ذوق اور شعر فہمی کا ہمیشہ سے معترف و مداح تھا۔ لیکن جب ان کے شعر سنے تو ان سے عقیدت و محبت میں اور اضافہ ہو گیا مشتاق صاحب کو جہاں غزل کی قدیم روایات کا پاس ہے وہیں جدید رجحانات کا لحاظ بھی ہے۔ مجھے دلی مسرت ہے کہ ان کا مجموعۂ کلام شائع ہو رہا ہے۔ میں پورے اعتماد کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ یہ مجموعہ آج کی اردو شاعری میں ایک گراں قدر اضافہ ثابت ہو گا۔

خمار بارہ بنکوی

مشتاق نقوی کے کلام میں نہ تو اتنی "خود بینی" ہے کہ وہ اپنی ذات کے مسائل میں گم ہو کر دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جائیں اور نہ اتنی "غیر بینی" کہ حیات و کائنات کے مسائل میں الجھ کر خود کو بھول جائیں۔ ان کی غزلوں کی رمزیت اور ایمائیت من و تو کے امتیازات سے بالاتر ہو کر بیکراں ہو جاتی ہے۔ اور زندگی کے تمام تر پہلوؤں کا احاطہ کر لیتی ہے۔ یہ ایک ایسی امتیازی خصوصیت ہے جس کی جس قدر بھی تعریف کی جائے کم ہے۔

ملک زادہ منظور احمد

ریڈر شعبۂ اردو لکھنؤ یونیورسٹی

مشتاق نقوی صاحب کی شاعری ان کی اپنی زندگی ہے جس میں رسمی خارجیت کا اثر بہت کم ہے۔ کہیں کہیں ہمعصروں کا رنگ جھلکتا ہے۔ وہاں بھی ان کی ایک الگ شخصیت محسوس ہوتی ہے۔ ذی علم آدمی ہیں، بڑی اچھی شعری صلاحیت کے حامل ہیں۔ اور جو کچھ یہ اردو ادب کو دے رہے ہیں، وہ یقیناً قابل قدر ہے۔

عبد الجلیل واقف رائے بریلوی

یہ عام روائتی شاعری نہیں ہے نہ ہی اس کا خالق عام روائتی آدمی ہے۔

(ڈاکٹر) جعفر رضا

ریڈر شعبۂ اردو کشمیر یونیورسٹی سرینگر

دل پہ اک بجلی گرا کر رہ گئے
مجھ کو دیکھا مسکرا کر رہ گئے

چھین لی دنیا نے لب سے راگنی
اِک ادھورا گیت گا کر رہ گئے

اَب بھی ہے خاموش زخموں کی زباں
غم کے نشتر آزما کر رہ گئے

اپنی بربادی کو روتے کب تلک
چند آنسو آئے۔ آ کر رہ گئے

دل کی ویرانی یونہی باقی رہی!
بارہا وہ یاد آ کر رہ گئے

ہم سفر راتوں کے سائے ہو گئے
چاند تارے راتوں میں سو گئے

قصۂ دل میں وفا کی بات پر!
اُس نے یوں دیکھا کہ ہم چُپ ہو گئے

تم تو کوئی اجنبی ہو اجنبی!
جو ہمارے تھے وہ تم کیا ہو گئے

منزلیں آواز دے کر تھک گئیں
قافلے گردِ سفر میں کھو گئے

آج تک آنکھوں میں اک تصویر ہے
گو اُسے دیکھے زمانے ہو گئے

یہ اُجالا ہر اک شے کو چمکا گیا — آئینہ دل کا کچھ اور دھندلا گیا

آج مغموم ہے وہ مرا آئینہ — زلف اُلجھی تو میرا خیال آ گیا

اپنی بربادیوں کا مجھے غم نہیں — غم یہ ہے کس طرح تجھ سے دیکھا گیا

اتنی فرصت کہاں تھی کہ ہم سوچتے — عشق میں کیا ہوا، کیا ملا، کیا گیا

لٹ گیا جہدِ ہستی میں احساس بھی — زندگی کیلئے ہارے کیا کیا گیا

جس کے ہونٹوں کے دامن میں کچھ بھی نہ تھا
جب اُٹھا بزم سے گیت برسا گیا

دل میں اب تک جنھیں بسائے تھے
اپنے احساس ہی کے سائے تھے
آج تک پھول کھل رہے ہیں وہاں
جہاں ہم مِل کے مُسکرائے تھے

تم سے ملکر یہ ہم پہ راز کھلا
ہم بھی اپنے نہیں پرائے تھے
گھر کی خاموشیاں بتاتی ہیں
وہ کبھی دو گھڑی کو آئے تھے

دھول میں رل گئے وہ لمحے بھی
جو کبھی تجھ سے مانگ لائے تھے
ایک ٹھوکر کی تاب لا نہ سکے
جو بہت جان و دِل بچائے تھے

احساس کے سائے

مجموعہ کلام

مشتاق نقوی

پہلی اشاعت ایک ہزار جولائی سنہ ۱۹۸۰ء

فراز پریس لکھنؤ

سر ورق

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ پاکستان میں بحق ڈاکٹر علالیہ امام
یو۔ کے میں بحق نجمہ رضا مرزا

ملنے کے پتے :-

۱- دانش محل امین آباد لکھنؤ
۲- نصرت پبلشرس امین آباد لکھنؤ
۳- ادبی دنیا کھیر گنج رائے بریلی

قیمت :- دس ۱۰/ روپے

کاتب - محمد عثمان رائے بریلوی

سوچ لو اُن سے روٹھ جانا بھی
ہے کسی اور جا ٹھکانا بھی

غم ہی اس نے دئے ہمیں ورنہ
ہم کو آتا تھا مسکرانا بھی

جو زمانے کے ساتھ ساتھ رہے
ساتھ اُن کے رہا زمانہ بھی

ہم کو اپنی خبر نہ مل پائی
کام آیا نہ ڈوب جانا بھی

ٹھیک ہے ہو گئے خفا لیکن
وہ منائے تو مان جانا بھی

دل سی ویرانی میں سایہ کوئی مہمان تو ہے
اپنے خوابوں سے ملاقات کا امکان تو ہے

کچھ نہ کچھ نذر تو کرنا ہے ترے جلوے کو
اور دولت نہ سہی کوئی دل و جان تو ہے

کیا ملے گا ہمیں اب اسکی پشیمانی سے
بے وفائی پہ کوئی اپنی پشیمان تو ہے

یوں نہ ہو خود سے نبھانا تمھیں مشکل ہو جائے
ہم کو نظروں سے گرانا بہت آسان تو ہے

قافلے والوں کو گمراہی کا احساس ہوا
کم سے کم اب کسی انجام کا امکان تو ہے

تھوڑی سی ہنسی بھی ہے گو انکار بہت ہے،
جانو اُسے نادان جو ہُشیار بہت ہے،
مجھ مبتلائے عشق کو دُنیا سے غرض کیا
اِک زندگی کو ایک ہی آزار بہت ہے
کوئی نہیں حقدار یہاں پیار کا تنہا
جو بھی جسے مِل جائے مرے یار بہت ہے،
ہیں بند سبھی پرسشِ احوال کی راہیں
سُنتے ہیں کئی دِن سے وہ بیمار بہت ہے
مرنا تھا گوارہ ہمیں گر تم نہیں ملتے
ہم زندہ رہیں گے کہ تمھیں پیار بہت ہے
دِل ہے کہ کسی شے سے بہلتا ہی نہیں ہے
نظروں کے لئے گرچہ بازار بہت ہے

یہ بے رُخی بھی ہے اُسکی بس ایک بات کی بات
ہے یہ بھی ایک طرح کے تعلّقات کی بات

ہزار زخم لگائے ہزار داد کرے
کہاں سے لائے گی دنیا تمہارے بات کی بات

یہ داستاں جو ہزاروں برس کی لگتی ہے
بس ایک دن کی کہانی بس ایک رات کی بات

خموش ہو گئے وہ سُن کے حادثہ میرا
جو کر رہے تھے زمانے کے حادثات کی بات

ہم اُن کو یاد بھی آئے تو اس طرح آئے
کہ جیسے صبح کو بھولی ہوئی ہو رات کی بات

THIS EBOOK IS DOWNLOADED FROM
SHAAHISHAYARI.COM

LARGEST COLLECTION OF URDU
SHERS, GHAZALS, NAZMS AND EBOOKS.

دلِ معصوم پہ کیا کیا ستم ڈھائے ہوئے ہیں ہم
محبّت ایک دھوکہ ہے یہ سمجھائے ہوئے ہیں ہم

چھٹے جب قیدِ ہستی سے تو کچھ ایسا لگا ہم کو
بہت دن بعد جیسے اپنے گھر آئے ہوئے ہیں ہم

مُسلسل اُن کا انکارِ محبّت یہ بتاتا ہے
کہ اُن کے ذہن و دل پر کس طرح چھائے ہوئے ہیں ہم

بہت مضبوط تھا دل جب تلک اُن کے ستم جھیلے
انھیں اب مہرباں پایا تو گھبرائے ہوئے ہیں ہم

زمانہ اپنے تیروں سے ہمیں ناحق ڈراتا ہے
گلوں کے ہاتھ سے زخمِ جگر پائے ہوئے ہیں ہم

وہ کیا تھے اور انھیں کیا سے کیا بنا کے چلے
جو مسکرا کے ملے تھے اُنھیں رُلا کے چلے
کسی کا پیار بھی منزل نہ بن سکا اپنی
گھڑی وہ آئی کہ دامانِ دل چھڑا کے چلے
قدم قدم پہ اُلجھتا چلا گیا دامن
رہِ حیات میں جتنا بچا بچا کے چلے
ہوئے ہیں ساتھ ہمارے وہ آج محوِ خرام
کہو صبا سے کہ گلشن میں سر جھکا کے چلے
عجب غرور دیا تیرے پیار نے ہم کو
ہجومِ غم میں سدا اپنا سر اُٹھا کے چلے
کوئی نگاہ نہ اُن پر ٹھہر سکی یارو
مری نگاہ کی شوخی میں جب نہا کے چلے

یہ کیا وسوسے ہم سفر ہو گئے ہیں
سبھی راستے پُرخطر ہو گئے ہیں
پکارا نہیں تم کو غیرت نے ورنہ
کئی بار آکر اِدھر ہو گئے ہیں
نہ سمجھو ہمیں کچھ شکایت نہیں ہے
کہ خاموش کچھ سوچ کر ہو گئے ہیں
کسے ہو خبر دردِ پنہاں کی اے دل
جنھیں تھی خبر بے خبر ہو گئے ہیں
ہم اپنی تباہی پہ بس مسکرائے!
مگر دامنِ غیر تر ہو گئے ہیں
ترے بن ہمیں موت بھی تو نہ آئی
جُدائی کے دن بھی بسر ہو گئے ہیں

جو خم پر خم جھلکاتے ہیں ہونٹوں کی تھکن کیا سمجھیں گے
پھولوں میں گذرتی ہے جنکی کانٹوں کی چبھن کیا سمجھیں گے

پتھر کے پجاری آنکھوں کی گہرائی کو پانا کیا جانیں
قسمت پہ یقیں رکھنے والے ماتھے کی شکن کیا سمجھیں گے

ہم دیوانے ہیں دیوانے بیکار سبق دیتے ہو ہمیں
ہم موت کے معنی کیا جانیں ہم دار و رسن کیا سمجھیں گے

کیا دکھ ہے ہمیں کیا غم ہے ہمیں کیوں جائیں کسی سے کہنے کو
کلیوں کی جو عزت کر نہ سکے وہ دردِ چمن کیا سمجھیں گے

کیوں ناحق لے کر بیٹھ گئے غم ہائے مسلسل کا قصہ
وہ درد کی قیمت کیا جانیں وہ دل کی جلن کیا سمجھیں گے

خزاں میں اہلِ جنوں رنگ لائے ہیں کیا کیا
لہو کے پھول چمن میں کھلائے ہیں کیا کیا

تمہارے بعد سسکتے ہوئے ستاروں نے
لپٹ کے رات سے آنسو بہائے ہیں کیا کیا

جمی ہوئی ہے خموشی کی گرد اب جن پر
اُنھیں لبوں نے کبھی گیت گائے ہیں کیا کیا

بس اس خطا پہ کہ جینے کی آرزو کی تھی
غمِ حیات نے طوفاں اُٹھائے ہیں کیا کیا

ترے لبوں کی جوانی کے واسطے ہم نے
جگر کے داغ ہنسی میں چھپائے ہیں کیا کیا

نظر بچا کے جو تیری گلی سے گزرے ہیں
تو واقعات نگاہوں میں آئے ہیں کیا کیا

جس آسماں نے اندھیرے میں لا کے چھوڑ دیا
اُس آسرے پہ سہارے گنوائے ہیں کیا کیا

شریکِ محبّت

ثُرّیاؔ نقوی

کے

نام

جو اتفاق سے میری شریکِ حیات بھی ہیں

کس کو کہتے ہیں محبّت یہ بتاتے تم کو
بات آجاتی تو مر کے بھی دکھاتے تم کو

تم کو کھو کر تو تمھیں دل بھی تمھیں جان بھی ہو
جانے کیا حال ہوا ہوتا جو پاتے تم کو

ایک مدّت سے یہ حسرت ہے مری آنکھوں کو
آئینہ بن کے کسی روز سجاتے تم کو

یہ اندھیرا۔ یہ تصوّر، یہ دھڑکنا دل کا
کاش تم ہوتے تو یہ گیت سناتے تم کو

تم نے اچھا ہی کیا عہدِ وفا توڑ دیا
میرے غم میرے ہی تھے راس نہ آتے تم کو

رنگ اور روپ علامت کے سِوا کچھ بھی نہیں
حسن احساسِ لطافت کے سِوا کچھ بھی نہیں

خود فریبی کو حقیقت نہ سمجھنا یارو
مُسکرانا مری عادت کے سِوا کچھ بھی نہیں

یوں تو کیا کچھ نہ کیا ہم نے زمانے میں مگر
حاصل اِک اُس کی محبّت کے سِوا کچھ بھی نہیں

عشق شہکار ہے انساں کی خود غرضی کا
پیار بھی اپنی ضرورت کے سِوا کچھ بھی نہیں

لُٹ گیا راہِ محبّت میں سبھی کچھ اپنا
اَب تو اِک درد کی دولت کے سِوا کچھ بھی نہیں

ہم اپنے ساتھ انھیں بے قرار کرتے رہے
طویل تھی شبِ غم ہوشیار کرتے رہے
ملا جو ہاتھ ترا فکر راہ زن نہ رہی
خزاں کی راہ میں ذکرِ بہار کرتے رہے
تمام عمر جو غم ہم کو راس آنہ سکا
تمام عمر اسی غم کو پیار کرتے رہے
کہاں تھا بس میں کہ ترکِ وفا کی سوچ سکیں
کیا جو پیار تو بے اختیار کرتے رہے
لبوں کو گیت سکھائے نظر کو محرومی
غمِ حیات کو ہم سازگار کرتے رہے
گلوں کی چاہ میں کانٹوں سے کب تلک بچتے
ہمیں جو راہ ملی اختیار کرتے رہے
جنوں نے حسن پہ سب کچھ لٹا دیا اپنا
اور اہلِ ہوش زیاں کا شمار کرتے رہے

جو دل کا خون گلوں پر نثار کر نہ سکے
وہ باغبان سہی قدرِ بہار کر نہ سکے

مآلِ عشق جو ہونا تھا وہ ہوا لیکن
یہ دکھ رہا انھیں جی بھر کے پیار کر نہ سکے

وہ حوصلے مرے کس کام آئیں گے اے دوست
وہ حوصلے جو ترا انتظار کر نہ سکے

جو ایک بار بھی ایمان لائے ہیں تجھ پر
وہ پھر کسی کا کبھی اعتبار کر نہ سکے

وہ شعر شعر نہیں ہے وہ گیت گیت نہیں
جو دل کو چھیڑ نہ دے بے قرار کر نہ سکے

کرم میں ہے نہ ستم میں نہ التفات میں ہے
جو بات تیری نگاہوں کی احتیاط میں ہے

کچھ اس طرح سے چلے جا رہے ہیں کانٹوں پر
کہ جیسے ہاتھ ہمارا تمہارے ہاتھ میں ہے

دیئے جلے ہیں سبھی جا رہی ہے "کل" کی دھن
عجیب جشنِ غمِ زندگی کی رات میں ہے

کھڑی ہے سیلِ حوادث کے درمیاں اب تک
بڑا ثبات مری عمرِ بے ثبات میں ہے

نہ کوئی دوست کسی کا نہ کوئی دشمن ہے
ہمارا دوست و دشمن ہماری ذات میں ہے

گل سمٹ آتے ہیں دامانِ بہاراں کے قریب
جب کوئی بجلی چمکتی ہے گلستاں کے قریب

بارہا وحشت نے دامن چاک کر ڈالا مگر
ہاتھ کوئی روک لیتا ہے گریباں کے قریب

ناز کر اپنے چراغوں پر مگر یہ سوچ لے
ہر طرف تاریکیاں بھی ہیں شبستاں کے قریب

گو بہت غمگیں تھے لیکن اپنی غیرت کی قسم
جا کے واپس آ گئے ہیں کوئے جاناں کے قریب

خیریت گذری مرے عہدِ وفا کام آ گئی
ہاتھ بڑھ کر آ چکا تھا تیرے داماں کے قریب

مدّتوں اس نظر میں اشارے رہے
مارے غیرت کے ہم جی کو مارے رہے

چل دیئے تم تو طوفان میں چھوڑ کر
ان سے شکوہ نہیں جو کنارے رہے

بادشاہت ملی تھی مگر عمر بھر
ہم فقیری کے سو روپ دھارے رہے

تم بدلتے رہے وقت کے رُوپ میں
ہم تمھارے ہوئے تو تمھارے رہے

بارِ دُنیا چلو تم یونہی بانٹ لو!
سب تمھارا رہا غم ہمارے رہے

لمبی تھی عمر محبت کی برباد ہوئے ہوتے ہوتے
کچھ رات کٹی بیتے بیتے کچھ رات کٹی روتے روتے

ان پیاس بھری آنکھوں کے سوا اس جگ میں اپنا تھا ہی کیا
سب کو دیکھا چلتے چلتے سب کو کھویا کھوتے کھوتے

جب یاد کوئی آجاتی ہے یوں دل کی کلی کھل جاتی ہے
جیسے خوابوں کی دنیا میں بچہ ہنس دے سوتے سوتے

کیا جانئے دل پہ کیا بیتی کیا جانئے آنکھ نے کیا دیکھا
کیوں چونک کے اٹھ اٹھ پڑتے ہیں ہم راتوں کو سوتے سوتے

فصلیں بیتیں موسم بدلا اور وقت نے یوں کیا کچھ نہ کیا
وہ داغ نہ دل سے دور ہوا اک عمر کٹی دھوتے دھوتے

بہت ہی تلخ سہی ناگوار بھی تو نہیں
یہ غم وہ بارِ گراں ہے جو بار بھی تو نہیں

کریں تو کس کے بھروسے پہ عزمِ ترکِ وفا
خود اپنے دل پہ ہمیں اختیار بھی تو نہیں

بہار بن کے تو آئے ہو دل کی دُنیا میں
مگر بہار کا کچھ اعتبار بھی تو نہیں

ہمیں ہماری وفا کا صلہ بھی مِل جاتا
مگر وہ جانِ جہاں شرمسار بھی تو نہیں

تمام عمر خموشی سے جس کو پُوجا ہے
یہ راز تجھ پہ مگر آشکار بھی تو نہیں

میں سوچتا ہوں کہ گذرے گی زندگی کیونکر
اک انتظار تھا اب انتظار بھی تو نہیں

جو میکدے سے اٹھیں بھی تو کس طرف جائیں
نظر کے سامنے اب کوئے یار بھی تو نہیں

جاں دے کر گمنام رہے ہیں
اُن کے فسانے ہم نے کہے ہیں

اپنے ہی غم کی بات نہیں تھی
اس کے بھی غم ہم نے سہے ہیں

بگڑی ہوئی صورت پہ نہ جاؤ
ہم اس کی آنکھوں میں رہے ہیں

ٹوٹ گئی ہیں کتنی چٹانیں
تب جا کر کچھ اشک بہے ہیں!

کوئی ہمیں پہچانے کیسے!
بے چہرہ ذہنوں میں رہے ہیں

پیش لفظ کے نام پر مجھے کچھ نہیں کہنا ہے۔ جو بھی میں کہنا چاہتا تھا وہ "آدھا ادھورا" میں نے اپنے شعروں میں کہنے کی کوشش کی ہے اور جو میں نہیں کہہ پایا ہوں وہ بات شاعری کے علاوہ کسی اور ذریعہ سے ادا بھی نہیں ہو سکتی۔

یہ شاعری کس طرح کی شاعری ہے۔ کیوں ہے ؟ کس لئے ہے ؟

یہ اور اس طرح کے کئی اور سوالوں کا جواب میرے پاس نہیں ہے میں اتنا جانتا ہوں کہ شاعر ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں سے زندگی کی حقیقت بیان کرتا ہے اس لئے نہیں کہ اس کی ذات کو کوئی غم ہے بلکہ اس لئے کہ غم اور اداسی انسان کے وجود کا ایک حصّہ ہے۔ یہ "وجود کا دکھ" انسان کے ساتھ پیدا ہوا ہے اور انسان کے ساتھ ہی ختم ہوگا۔ یہ اس وقت بھی ہمارے ساتھ تھا جب ہم باغِ ارم میں اکیلے تھے۔ آج بھی ہے اور اس وقت بھی رہے گا جب ہم موت بیماری اور غریبی پر فتح حاصل کرلیں گے جیسے جیسے ہم اپنے جسم کے مسائل حل کرتے جائیں گے شاعری کی اہمیت بڑھتی جائے گی۔

آدمی کو اپنے بارے میں سوچنے کا جتنا موقع ملے گا اتنی ہی زندگی بے معنی نظر آئے گی اتنا ہی وہ اداس ہوگا اور یہاں سوچ لینا ہی

دل کے آنے سے دل کے جانے سے
زندگی لگ گئی ٹھکانے سے

جب زمانے سے مل گئے ہم بھی
کیا شکایت کریں زمانے سے

جھوٹ سچ میں بدل نہیں سکتا
آپ کے ایسے مسکرانے سے

اپنی مرضی بھی گر نہ ہو شامل
کوئی مٹتا نہیں مٹانے سے

کچھ بہانہ تو ہو بہلنے کا
ہم بہل جائیں گے بہانے سے

جب بگڑتی ہے یوں بگڑتی ہے
بات بنتی نہیں بنانے سے

کیا خبر تھی اُن سے مل کر یہ سزا پائیں گے ہم
مُسکراہٹ لب پہ آئیگی تو گھبرائیں گے ہم

اُن کے بھولے پن پہ قرباں اُنکی مجبوری بجا
کوئی سمجھاؤ کہ دل کو کیسے سمجھائیں گے ہم

اِس کا کیا غم چل دیئے وہ سارے رشتے توڑ کر
غم تو بس یہ ہے کہ اُن کو پھر بھی یاد آئیں گے ہم

کس قدر آسان سمجھ رکّھا تھا تیرے پیار کو
ہم سمجھتے تھے کہ تجھ سے چھُٹ کے مرجائینگے ہم

شام کے سائے ہیں جب تنہائی چھیڑے گی تجھے
اشک بن بن کر تری آنکھوں میں بھر آئینگے ہم

زباں پہ خود بخود عرضِ محبّت آ ہی جاتی ہے
کھلے پڑتے ہیں ارماں زندگی شرمائی جاتی ہے

بلاوے آ رہے ہیں منزلوں کے شام سے لیکن
تمنّاؤں کو ان کی گود میں نیند آ ہی جاتی ہے

وہ آئے ہیں تسلّی کے لئے لیکن یہ عالم ہے
نگاہیں نم ہیں تو آواز کی تھرّائی جاتی ہے

دماغ و دل کی ساری کشمکش بیکار و لاحاصل
نشے کی طرح اُسکی یاد سب پر چھائی جاتی ہے

نہیں کچھ تیرے باعث یہ اُداسی بدگماں مت ہو
جہاں جاتا ہوں میرے ساتھ یہ تنہائی جاتی ہے،

خفا شعار ہے اس کا پہ اسقدر بھی نہیں
وہ ہم سے دور سہی ہم سے بے خبر بھی نہیں

بہت قریب سہی دار سے گلو اپنا
مگر یہ راہِ وفا اتنی مختصر بھی نہیں

تمام داغِ دل و جاں تمام لعل و گہر
اسی پہ وار دیے ہیں جسے خبر بھی نہیں

سمجھ سکے گا بھلا کون غم کی گہرائی
کہ اشکبار ہیں ہم اور چشم تر بھی نہیں

نہ جانے کون سے عالم میں سانس لیتا ہوں
کہ شب تمام ہوئی ہے مگر سحر بھی نہیں

وہاں پہ ڈھلتی ہیں خوابوں کی قسمتیں کہ جہاں
مری پہنچ بھی نہیں ہے تری گذر بھی نہیں

کہیں یہ بیٹھ کے اک سانس لے سکوں تنہا
قرارِ دل کو مرے آج اسقدر بھی نہیں

غموں نے اس طرح گھیرا کبھی نہیں ہوگا
یہ لگ رہا تھا سویرا کبھی نہیں ہوگا

اُنھیں کا ذکر ہے دن رات اُنکی باتیں ہیں
تمہارا دل ہے یہ میرا کبھی نہیں ہوگا!

تمام دولتِ کون و مکاں ملے تو کیا حاصل
تو جس کا ہو گیا تیرا کبھی نہیں ہوگا

ہماری سُن لو ہمیں دیکھ لو کہ پھر شاید
اِدھر فقیر کا پھیرا کبھی نہیں ہوگا

دیا ہے اپنا لہُو اِسقدر چراغوں کو
ہمارے بعد اندھیرا کبھی نہیں ہوگا

محبّت میں جدا ہوتا ہے ہر پیمانہ کہتے ہیں
وہ جینے کی تمنّا ہے جسے مرجانا کہتے ہیں

یقیں آتا نہیں جس پر حقیقت نام ہے اُس کا
جو سچ معلوم ہوتا ہے اُسے افسانہ کہتے ہیں

سمجھتا ہے جو اِس دنیا کو ہم سے آپ سے بہتر
اُسے ہم اصطلاحِ عام میں دیوانہ کہتے ہیں

جو سُن پاؤ سنو۔ دیکھو جو دیکھا جا سکے تم سے
وہ نغمے ہوں کہ آنسو ایک ہی افسانہ کہتے ہیں

گلشن بھی سجائے ہیں اس نے یہ جھلکا ہے شمشیر میں بھی
انساں کے لہو کا کھیل ہوا تخریب میں بھی تعمیر میں بھی

جو فرق ہے وہ ہے ہاتھوں کا جو شوق عمل میں بڑھتے ہیں
یوں ایک ہی نغمہ ایک تڑپ ہے ساز میں بھی شمشیر میں بھی

یہ جشن جنوں کے خرد نے نوچا ہے پھولوں کی قباؤں کو لیکن
کچھ دامن سالم رہ ہی گئے اس شورش دار و گیر میں بھی

یہ صبر کی تلقیں اور ٹوٹے ٹوٹے جملے بہکی سطریں
جو تم نے چھپانا چاہا تھا وہ چھپ نہ سکا تحریر میں بھی

سب اپنی طرح سے کرتے ہیں جینے کے جتن پر کیا کیجے
تدبیر نہیں چلتی اکثر اس کارگہہ تدبیر میں بھی

یہ سادگی جو رنگین بھی ہے یہ خامشی جو تقریر بھی ہے
وہ ایک طرح سے لگتے ہیں تحریر میں بھی تصویر میں بھی

کس قدر پیاس ملی آپ کے میخانے سے
عمر بھر آنکھوں میں چھلکا کئے پیمانے سے

کیسا جادو تھا ان آنکھوں میں جنہیں دیکھ کے ہم
مُدّتوں اپنوں میں پھرتے رہے بیگانے سے

میری تخئیل نے دُنیا کو دیے پیراہن
کیا حقیقت ہے یہ پوچھو مرے افسانے سے

ٹوٹ جانے پہ بھی رشتوں کا بھرم باقی ہے
ان کا گھر دُور نہیں ہے مرے ویرانے سے

کیا ملیں اور دل سے خود سے بھی نہیں مِل پاتے
ایسے تنہا ہوئے ہم آپ کے آجانے سے

کہتے ہیں کہ ایسوں کا سہارا نہیں کرتے
یہ جانتے تو ساتھ تمھارا نہیں کرتے

تم تو ہو بڑی چیز وہ خوددار ہیں ہم لوگ
خود اپنا بھی احسان گوارا نہیں کرتے

ہو جاؤ پشیمان نہ کہیں پھیر لو آنکھیں
یوں ڈوبنے والوں کا نظارہ نہیں کرتے

ڈرتے ہیں رُلا دے نہ کسی یاد کا کانٹا
بھولے سے بھی وہ ذکر ہمارا نہیں کرتے

نفرت سے اس دل نے بہت کام لئے ہیں
ہم صرف محبت پہ گذارا نہیں کرتے

چُپ اے دلِ بیتاب وہ ہی ہیں تو ہُوا کیا
غیروں کو سرِ راہ پکارا نہیں کرتے!

دلوں کا حال وہ بے اعتبار کیا جانے
جسے نہ پیار ملا ہو وہ پیار کیا جانے

اداسے آئی چمن میں اداسے لوٹ گئی
گلوں پہ بیت گئی کیا بہار کیا جانے

نہ کوئی خواب ہے، آنکھوں میں اور نہ بے خوابی
کہاں رکی ہے شب انتظار کیا جانے

اُسے بھلائے ہوئے مدتیں ہوئیں لیکن
یہ کون چھوتا ہے دل بار بار کیا جانے

پھر ایک بار چلو اُس گلی میں ہو آئیں
وہ مل ہی جائے سر رہ گذار کیا جانے

اُداس ہو جاتا ہے۔ غم ہی زندگی کی سب سے بڑی حقیقت ہے۔ خوشی بھی اسی غم کا ایک معمولی سا پہلو ہے۔

جو شاعری آپکے سامنے ہے اس میں بہت کچھ عام ہے اور بہت کچھ خام بھی ہے مگر کہیں کہیں الفاظ کی تہیں چیر کر میں نے سر نکالنے کی کوشش کی ہے اور انھیں جگہوں پر آپ مجھے پہچان سکیں گے۔

الفاظ ہمیشہ اظہار کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ رہے ہیں۔ ساری دنیا کے الفاظ مل کر بھی وہ نہیں کہہ سکتے جو ہم کہنا چاہتے ہیں بات ہمیشہ تشنہ رہے گی اور شاید اسی میں ہماری نجات ہے۔

غزلوں اور نظموں کی ترتیب میں کسی اصول کو مدنظر نہیں رکھا گیا ہے۔ کچھ ابتدائی غزلیں بیچ یا آخر میں آ گئی ہیں۔

میں اپنی اور اپنی زبان کی کم مائیگی کے پورے احساس کے ساتھ یہ مختصر سا مجموعہ آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔

مشتاق نقوی

ذوقِ لاحاصل ہی اِس دنیا کا حاصل ہو گیا
عشق وہ راہی ہے جو خود اپنی منزل ہو گیا

کہتے ہیں بے رنگ ہاتھوں کو حنا ہم سے ملی
جس کسی کو دے دیا یہ دل وہ قاتل ہو گیا

اس طرح بیٹھی نگاہیں اِس طرح بدلے مزاج
میں بھی اپنے دشمنوں میں جا کے شامل ہو گیا

اُن کے ہاتھوں میں رہا جب تک وہ خنجر تھا مگر
میرے سینے میں اُتر آیا مرا دل ہو گیا

کن لٹیروں کی گلی میں آ گیا لے کر جنوں
زندگی اور آبرو کا ساتھ مشکل ہو گیا

رات جب دھرتی میں گھل جاتی ہے خوشبو کی طرح
آنکھ میں کوئی اُبھر آتا ہے آنسو کی طرح

درد کی گہرائیوں میں جلتے بجھتے یہ خیال
چٹکیاں لیتے ہیں تاریکی میں جگنو کی طرح

کتنے اندیشے تھے حائل کس قدر مجبوریاں
کوئی بھی آنسو ٹپک پایا نہ آنسو کی طرح

ہر طرف ان دیکھے خطرے ہر طرف بے نام خوف
گھر گیا ہے حُسن اس جنگل میں آہو کی طرح

کتنے بُت گرتے ہوئے دیکھے ہیں ہم نے آنکھ سے
کون ہے جو اُٹھ سکے گا تیری ابرو کی طرح

شکوہ کریں کسی سے یہ عادت نہیں ہمیں
ایسا نہیں کہ کوئی شکایت نہیں ہمیں

ہم کھنچ گئے کہ تم پہ جدائی گراں نہ ہو
اچھا یونہی سہی کہ محبت نہیں ہمیں

کیا کیجئے کہ تم ہی زیادہ عزیز ہو
کچھ زندگی سے ایسی عداوت نہیں ہمیں

گھیرا ہے اس طرح سے کسی کے خیال نے
مرنا بھی ہم جو چاہیں تو فرصت نہیں ہمیں

جو کر سکے وہ کر لیا قلب و جگر کے ساتھ!
حسرت یہ ہے کہ اب کوئی حسرت نہیں ہمیں

گر دیکھئے تو دونوں جہاں ہم کو چاہیئے
اور سوچئے تو کوئی ضرورت نہیں ہمیں

سمٹے تو ایسے شمس و قمر میں سمٹ گئے
بکھرے تو ایسے خاک کے ذرّوں میں بٹ گئے

منزل کہاں سفر ہی سفر ہو گئی حیات
اتنا چلے کہ پاؤں سے رستے لپٹ گئے

یہ وقت کا کرم ہے کہ رُکتے نہیں ہیں دن
کٹنا نہ چاہیئے تھا جنھیں وہ بھی کٹ گئے

اَب دیکھنا ہے کون سنوارے گا تیرے پھول
اِک ہم ہی تیری راہ کا کانٹا تھے ہَٹ گئے

قد آوری پہ ہم کو بہت ناز تھا مگر
جب زندگی کی آگ سے گذرے تو گھٹ گئے

منزلیں۔ راہ نما۔ راہ بدلتے رہنا
شرط اور کوئی نہیں شرط ہے چلتے رہنا

سب کی تقدیر میں پروانے کہاں ہوتے ہیں
شمع جلتی ہے کہ فطرت میں ہے جلتے رہنا

ہر گھڑی خطروں سے دوچار ہے انساں کی حیات
زندگی کیا ہے فقط موت کا ٹلتے رہنا

اور دُنیا کی ہر اک چیز بدل جاتی ہے
اک بدلتا نہیں دُنیا کا بدلتے رہنا

کچھ گرے ایسے کہ پھر اُٹھ نہیں پائے یارو
سب کے بس کا نہیں گر گر کے سنبھلتے رہنا

حاصلِ دیں بھی یہی حاصلِ دُنیا بھی یہی
ایک ہی لَو سے سحر تک یونہی جلتے رہنا

ہم اِک ایک بوند کو اِک عمر ترسے
کوئی دیکھے اِسے میری نظر سے

گھروں میں بند تنہائی کے ڈر سے
صبح ہوتے نکل پڑتے ہیں گھر سے

تعلق جس کا ہو قلب و جگر سے
دکھائی وہ نہیں دیتا نظر سے

کئی دِن ہم رہے خاموش تنہا
کئی دِن وہ نہیں گذرے اِدھر سے

کہاں منزل ہے سوچیں گے ٹھہر کر
اگر فرصت کبھی پائی سفر سے

رہے ہے آجکل کچھ اِس طرح چرخِ کہن بگڑا
مِرے ہی آشیاں سے جیسے یہ نظمِ چمن بگڑا

کہاں گذری ہے تمہاری رات کچھ ہم بھی سُنیں آخر
یہ رُخ یہ چاندنی چھٹکی یہ تارِ پیرہن بگڑا

برس کر رہ گئیں کلیاں چمن کے فرشِ رنگیں پر
پکڑ کر شاخ جب کل شام وہ غنچہ دہن بگڑا

تری نظروں ہی تک تھا سب سلیقہ اہلِ محفل کا
ترے اُٹھتے ہی جانِ حسنِ رنگِ انجمن بگڑا

کِسے آتا تھا جینا اِس سے پہلے تیری دُنیا میں
سنوارا ہے محبّت نے مذاقِ روح و تن بگڑا

گِلہ تھا بیوفائی کا ہمیں پر اِن سے کیا کہئے
وہ کہتے ہیں کہ ہے کچھ اِن دنوں تیرا چلن بگڑا

"تو یہ سوچ کر تنہائی میں تڑپا کیے
ہو گئے ہم سے جدا وہ اور ہم دیکھا کیے

ایک لمحہ میں جو کر بیٹھے ہیں دیوانے ترے
لوگ صدیوں اسکی لامحدودیت سمجھا کیے

کامیابی اپنے حصّے میں کبھی رکھتی ہی نہیں
ہم نے ناکامی سے اپنے راستے پیدا کیے

بے وفائی اسکی میرے ساتھ مت شامل کرو
جرم ہم نے عشق میں جتنے کیے تنہا کیے

ہاتھ لگتے ہی بکھر جاتا ہے جن کا شوخ رنگ
عمر بھر اِن تتلیوں کی کھوج میں بھاگا کیے

ساز بنے اُن اشکوں سے جو بہتے ہیں تنہائی میں
صدیوں کی محرومی رُو رُو گاتی ہے شہنائی میں

جتنے ہلکے لوگ تھے وہ سب تیر گئے اُس پار ہوئے
ایک ہمیں تھے ڈوب گئے جو اپنی ہی گہرائی میں

اپنا بدن سوتا رہتا ہے بستر پر لیکن اکثر
رات گئے ٹہلا کرتا ہے کون مری انگنائی میں

دل ہے کسی کا جاں ہے کسی کی اور کسی کی ہے یہ نظر
کتنا بکھراپن پنہاں ہے اک مری یکجائی میں

ظلم کی شدت خود اپنی ہی موت کا باعث بنتی ہے
جیت کی صورت دیکھ رہے ہیں ہم اپنی پسپائی میں

زندگی کا نشان ہیں ہم لوگ
اے زمیں آسماں ہیں ہم لوگ

روز جیتے ہیں روز مرتے ہیں
کس قدر سخت جان ہیں ہم لوگ

زندگی مسکرا تو دے اک بار
ایک شب میہمان ہیں ہم لوگ

صورتیں دھول ہو چکی ہیں مگر
حُسن کے پاسبان ہیں ہم لوگ

خود سے ملتے ہیں دشمنوں کی طرح
غیر پر مہربان ہیں ہم لوگ

فہرست

۱- احساس کے سائے ۱

۲- کتاب سے متعلقہ میٹر ۲

۳- انتساب ۳

۴- پیش لفظ ۴

۵- فہرست ۶

۶ غزلیات .... ۷ تا ۶۱

۷- آج کے بعد ۶۲

۸- منزل کی آہٹ ۶۴

۹- تمنّا ۶۶

۱۰- حسرت ۶۸

۱۱- ایک شام .... ۷۳ تا ۷۵

۱۲- (نظم) .... ۷۶ تا ۷۷

۱۳- قطعات .... ۷۸ تا ۸۰

ایک یہی درد تو ملا ہے ہمیں!
شعر و نغمہ کی جان ہیں ہم لوگ

شاخِ گل ہیں جو ہم لچک جائیں
کھنچ گئے تو کمان ہیں ہم لوگ

ہم سے ملتا ہے منزلوں کا پتہ
اور خود بے نشان ہیں ہم لوگ

اَب بھی لپٹے ہیں تیری ٹھوکر سے
زندگی تیری آن ہیں ہم لوگ

راہ تاریک ہے آکاش پہ تارا بھی نہیں
اور تم سے کہیں ملنے کا سہارا بھی نہیں

بے قراری بھی سلیقے سے نبھائی ہم نے
تم کو بھولے بھی نہیں تم کو پکارا بھی نہیں

اس طرح لوٹا ہے اس شہرِ تمنّا نے ہمیں
زندگی چھین بھی لی جان سے مارا بھی نہیں

یاد کرتے ہیں تو کچھ اور خلش بڑھتی ہے
اور بن یاد کئے دل کا گزارا بھی نہیں

لا تو سکتے ہیں اُسے راہ پہ اپنی لیکن
اس کا احسان لیں ہم کو یہ گوارا بھی نہیں

کسے بتائیں محبت میں کیا کیا میں نے
بنا کے اپنا نشیمن جلا دیا میں نے

غرورِ عشق۔ خودی اور آبروئے وفا
انھیں گنوا کے بہت کچھ بچا لیا میں نے

زمانہ اس کو کہے ہے کشی کہ میخواری
تمام عمر خود اپنا لہو پیا میں نے

بجھا گئی تھی کبھی جس کو بے رخی تیری
اسی چراغ کو پھر سے جلا لیا میں نے

کل اس کو دیکھ کے دل کتنا بیقرار ہوا
سمجھ رہا تھا کہ اس کو بھلا دیا میں نے

کیا دیکھتا جو حُسن کی رعنائیوں میں تھا
اُلجھا ہُوا میں اپنی ہی پرچھائیوں میں تھا

وہ درد ٹوٹ ٹوٹ کے اس دل میں آ گیا
جو اُس حسین جسم کی انگڑائیوں میں تھا

اِک انقلاب بن کے زمانے پہ چھا گیا
خاموشیوں کا شور جو تنہائیوں میں تھا

جس دُکھ کو ڈھونڈھتے تھے وہ میری نگاہ میں
پنہاں وہ میری رُوح کی گہرائیوں میں تھا

گذرا ہوں میں بھی کوئی ملامت سے دو تو
میرا بھی نام شہر کی رسوائیوں میں تھا

آج کے بعد

مے میں رہ جائیگا باقی نہ اثر آج کے بعد
اس طرح پھر نہ اُٹھے گی وہ نظر آج کے بعد

آج کس درجہ حسیں ہیں یہ مناظر لیکن
ہوگا ہر چیز کا انداز دِگر آج کے بعد

گرد ہو جائے گی یہ کاہکشاں تاروں کی
سنگ ہو جائیں گے یہ لعل و گہر آج کے بعد

شب کی تاریخ میں یہ دن نہ کبھی آئیگا
ایسے مہمان کہاں ہوگی سحر آج کے بعد

پھر نہ آئیگی اُمنگوں پہ جوانی ایسی
پھر اُٹھے گی نہ یہ ساون کی لہر آج کے بعد

دِل کے داغوں سے کہو خوب چراغاں کر لیں
ہوگی آباد نہ یہ راہ گذر آج کے بعد

کس سے ہم شکوۂ ایّام کریں گے کل سے
پھر نہ پرسش کو اُٹھے گی وہ نظر آج کے بعد

ایک اک بوند کو ترسیں گے بیاباں دل کے
مے نہ چھلکائے گی پھر اس کی نظر آج کے بعد

رات اور دن میں کوئی فرق نہ رہ جائے گا
ایک سے ہونگے سبھی شام و سحر آج کے بعد

اُس کا دامن نہ ابھی چھوڑ کہ اس کا دامن
پھر ملے گا نہ کبھی دیدۂ تر آج کے بعد

آخری بار پڑاؤ ہے دلِ محزوں کا!
پھر وہی راہ وہی گردِ سفر آج کے بعد

جانے کس راہ میں بھٹکے گی جوانی کل سے
لَوٹ کر آئے گا پھر کون اِدھر آج کے بعد

منزل کی آہٹ

دو دلوں میں لگاوٹ پیار کی
ایک سادہ مُسکراہٹ پیار کی

خوشبوؤں نے اپنی زلفیں کھول دیں
شوخ اُمیدوں نے آنکھیں کھول دیں

انکھڑیوں میں خواب چھانے سے لگے
ہونٹ خود ہی گنگنانے سے لگے

سازِ دل سینے میں بجنے سا لگا
حُسن کا آنچل سرکنے سا لگا

کھُل گئیں زُلفیں ہوا کے دوش پر
پڑ گئیں پرچھائیاں سی ہوش پر

چاندنی ہر راہ میں کھلنے لگی
ہر نظر کو روشنی ملنے لگی

سادگی کو کوئی رنگین کر گیا
مانگ میں راتوں کے سیندور بھر گیا

ہنس کے غم نے لے لیا سازِ حیات
زندگانی پا گئی رازِ حیات

تشنگی سے پیار کے جھرنے بہے
کہہ لیا آنکھوں نے سب کچھ بِن کہے

پاؤں کو منزل کی آہٹ مل گئی
زندگی کو مسکراہٹ مل گئی

تمنّا

بیت گئی کیا کچھ نہ دلوں پر ہو گیا کیا اِک پل میں
سوچ رہا ہوں پلٹی کیسی یہ دُنیا اِک پل میں
محل بنایا تھا جو برسوں ٹوٹ گیا اِک پل میں

ایسی آندھی آئی اچانک ہاتھ ہمارے چھوٹے
جو سوگندوں سے باندھے تھے وہ بندھن ٹوٹے
اَن جانے کچھ بات بڑھے ہم گئے اچانک لوٹے

مرجھائیں آشا کی کلیاں کھلتے کھِلتے ہی
ساز لے لیا دُنیا نے دو تاروں کے ہِلتے ہی
سوکھ گیا جھرنوں کا پانی ہونٹوں سے مِلتے ہی

چھوٹ گئی سپنوں کی مالا پیار کے ہاتھوں سے
اپنا رشتہ جوڑ لیا تنہائی کی راتوں سے
دل نے ناتا توڑ لیا سب دُنیا کے ناتوں سے

ہم کو اکیلے ہی سانسوں کا بوجھ اُٹھانا ہوگا
جھوٹی مُسکانوں سے اَپنے ہونٹ جلانا ہوگا
کس کو خبر تھی اِک دن تجھ کو بھول بھی جانا ہوگا

پگ پگ پر ٹھوکر لگتی ہے قدم قدم رُسوائی
کہنے کو سنسار بھرا ہے لیکن یہ تنہائی
تجھ کو پا لینے کی تمنّا آج کہاں لے آئی

سلسلہ جب تری باتوں کا جواں ہوتا ہے
تب ہر اک جام بکف جانے کہاں ہوتا ہے

اُف رے وہ آہ جو سینے سے نکل بھی نہ سکے
ہائے وہ درد جو آنکھوں میں نہاں ہوتا ہے

خود فریبی ہے، تھکن ہے کہ شکستہ پائی
ہر قدم پر مجھے منزل کا گماں ہوتا ہے

اُنکی نظروں کا بڑھاوا ہے وگرنہ ہم سے
حالِ دل کب کسی صورت میں بیاں ہوتا ہے

محفلِ غیر میں کیا عشق و وفا کی باتیں
یاں تو یہ ذکر بھی ذہنوں پہ گراں ہوتا ہے

حسرت

اجنبی راہوں میں حیران و پریشاں تنہا
میرے سائے کے سوا کون مرے ساتھ آیا
میں نے جانا مرا ساحل مری منزل کیا ہے
میرے ہاتھوں میں اچانک جو ترا ہاتھ آیا

پھول سے کھلنے لگے درد کی چٹانوں میں
زندگی جیسے کسی ساز پہ کچھ گانے لگی
دل کی دھڑکن نے وفاؤں کے ترانے چھیڑے
تیری خاموشی انھیں نغموں کو دہرانے لگی

شامِ تنہائی کے شانوں پہ وہ جھکی زلفیں
وہ بہاروں کا سا عالم مرے ویرانوں پہ
مل گئی تھی جو ترے پیار کی دولت ہم کو
راہ چلتے ہوئے پیار آتا تھا بیگانوں پہ

یوں تو کیا کچھ نہ ہوئیں ہم سے خطائیں لیکن
تیرے بھی لطف و عنایت کا ٹھکانہ نہ رہا
تیری چاہت نے وہ انداز دیا جینے کا
مجھ کو مرنے کے لئے کوئی بہانہ نہ رہا

جل گیا آتشِ احساس سے دامن اپنا
راز تھی تیری محبّت تو سدا راز رہی
پردۂ ساز سے آگے نہ گئی کوئی نظر
تیری آواز میں شامل مری آواز رہی

بات بگڑی تو کوئی درد کا درماں نہ رہا
آنکھ کھلتے ہی امیدوں کا بھرم ٹوٹ گیا
رہ گئی بس کے نگاہوں میں سیاہی شب کی
رات کے ہاتھ سے دامانِ سحر چھوٹ گیا

ہو گیا جانے کہاں ختم فسانہ دل کا
میری خلوت بھی نہیں ہے تری محفل بھی نہیں
اب ہواؤں کے کرم پر ہے سفینہ اپنا
ایسا طوفاں ہے کہ مجھ کو غمِ ساحل بھی نہیں

خاک اُڑتی ہے خیالوں کے صنم خانے میں
رُوح ویران ہے لُوٹی ہوئی بستی کی طرح
اُٹھتی گرتی ہوئی لہروں پہ نہ جانے کب سے
جسم آوارہ ہے ٹوٹی ہوئی کشتی کی طرح!

شاہراہوں پہ بھٹکتے ہیں نظر کے آہو
کوئی میلے میں کہیں چھوٹ گیا ہو جیسے
بیکلی پاؤں کو رُکنے ہی نہیں دیتی ہے
دِل میں خنجر سا کوئی ٹوٹ گیا ہو جیسے

تشنہ خوابوں کی حسیں چھاؤں میں گذرے لمحے
میری بیتاب نگاہوں میں سدا جھولیں گے
وہ کرم ہو کہ ستم ہم کو سبھی پیارے تھے
ہم کسے یاد کریں گے تو کسے بھولیں گے

تو پشیماں ہے کہ اک بھول ہوئی ہے ہم سے
چند لمحے تو ملے تھے انھیں کیا یاد کریں
میری حسرت ہے کہ اسی عمرِ محبت کے لیے
زندگی اور جو مل جائے تو برباد کریں

ایک شام

یہ شام کتنی حسین ہے کتنے حسیں ہیں یہ شام رنگ سائے
دُلھن کوئی جیسے آ رہی ہے سنگار کر کے بدن چرائے

کتابی چہروں کی چلمنوں سے کہانیاں مُسکرا رہی ہیں
شباب پر ہے نظر کا جادو جوانیاں مُسکرا رہی ہیں

وہ چاند جیسے حسین مکھڑے وہ پھول جیسے حسین پیکر
کمانِ ابرو میں ناز شاہی جبیں پہ شہزادیوں کے تیور

وہ نور و نکہت کے ناز پرور گلابی چہروں پہ چاندنی سی
وہ عارضوں کے گلاب جن پر سحر کی ہلکی سی تازگی سی

شراب جیسے چھلک رہی ہے اُٹھ رہا ہے ہوا سے آنچل
نگاہیں بے باک ہو چلی ہیں چھنک اٹھی ہے حیا کی پائل

یہ لب یہ عارض، یہ خم یہ اَبرو، یہ پھول جیسی گداز بانہیں
کسی کی بربادیوں کا باعث کسی کے سینوں کی جو نگاہیں

سُبک سُبک سی وہ چال بادِ صبا سے اپنا خراج لیتی!
وہ نازو عشوہ سے ٹھوکروں میں فرعون و قیصر کا تاج لیتی

وہ جسم بے کل سے ایڑیوں پر لرز رہا ہو ستار جیسے
جوان انگڑائیوں کے قدموں اُتر رہا ہو خمار جیسے

یہ محبت ہی اس زمیں پر اُتر کے آ گئی ہیں اپسرائیں
کوئی ہے رادھا کوئی ہے میرا کسی میں لیلیٰ کی ہیں ادائیں

دھڑکتے سینوں کی لے پہ رقصاں یہ شام زلفوں کو کھولتی ہے
ہر ایک پتھر میں جاں ہو جیسے ہر ایک تصویر بولتی ہے

تمام دُنیا کا حُسن شاید سمٹ کے مرکز پہ آ گیا ہے
یہ شام ایسی ہے رنگ جس کا تمام رنگوں پہ چھا گیا ہے

دہکتے ہونٹوں کی سُرخیوں میں یہ ننھے ننھے سے شوخ تارے
نہ جانے کس تشنگی پہ برسیں یہ رس کے بادل یہ رس کے دھارے

یہ رنگ و شوخی یہ نور و نکہت بہت جواں ہے بہت حسیں ہے
مگر ترستی ہیں جن کو آنکھیں وہ میری دنیا کہیں نہیں ہے

جو پوچھنا ہے تو ہم سے پوچھو کہ ان کی باہوں سے کیا ملا ہے
تمام راتوں کی نیند کھو کر بھی خواب کا ہوں سے کیا ملا ہے

تڑپ تڑپ کے جیے ہیں کب تک رہے ہیں ہم بے قرار کتنے
لگی ہیں چوٹیں جگر پہ کتنی سہے ہیں اس دل پہ وار کتنے

ہمارے ہاتھوں پہ چاند ہوتا قدم تلے جو زمیں ہوتی
"یہ شام کتنی حسین ہے لیکن جو زندگی بھی حسین ہوتی"

بجھ گئے ہم تو یہ مہتاب بھی پیارا نہ رہا
روشنی شمع میں آنکھوں میں شرارا نہ رہا
تو ہمارا نہ رہا کوئی ہمارا نہ رہا

راہ چلتے ہوئے کتنوں سے نگاہیں بھی ملیں
بھول جانے کو تجھے سیکڑوں راہیں بھی ملیں
دل کی معصوم تمناؤں کو بانہیں بھی ملیں

نکلے جس سمت ترے درد کی دولت لیکر
اَن گنت ہاتھ بڑھے پیار و محبت لیکر
ہر غنی در سے جو پلٹے ہیں تو غربت لیکر

ہر خزاں لوٹ گئی آکے بہاروں کی طرح
ہر حسین آیا حسینوں کے اشاروں کی طرح
ہم رہے ساکت و خاموش ستاروں کی طرح

خود کو ہم بھول گئے تجھ کو بھلایا نہ گیا
دل کچھ اس طرح سے اجڑا کہ بسایا نہ گیا
اب یہ وہ راہ ہے جس پہ کوئی آیا نہ گیا

کچھ میری محبت میں اثر ہے کہ نہیں ہے
کیا جانے اُسے میری خبر ہے کہ نہیں ہے

او چاند ستاروں سے نظر باندھنے والو
کچھ اپنی زمیں کی بھی خبر ہے کہ نہیں ہے

تقدیر میں جس کے ہو اندھیرا ہی اندھیرا
کیا خاک وہ سمجھے گا سحر ہے کہ نہیں ہے

میں آس پہ بیٹھا ہوں بھروسہ بھی ہے لیکن
جانے یہ تری راہ گذر ہے کہ نہیں ہے

روحِ کشتگی و جانِ جستجو یاد آ گیا
جس کو بھولے تھے وہ خوابِ آرزو یاد آ گیا

بجھ گئی ہونٹوں پہ آتے ہی تبسم کی کرن
مسکرانے بھی نہ پائے تھے کہ تو یاد آ گیا

یہ خوشی کی ہے نہ غم کی بات ہے
چند رشتوں کے بھرم کی بات ہے

تیرے دامن کے سوا سمجھے گا کون
سُننے والے چشمِ نم کی بات ہے

اِس طرح برسیں گھٹائیں پیار کی
پیاس کا احساس دونا کر گئیں

کتنی چھلکا دی تری آنکھوں نے مے
آنسوؤں سے میری آنکھیں بھر گئیں

THIS EBOOK IS DOWNLOADED FROM
SHAAHISHAYARI.COM

LARGEST COLLECTION OF URDU
SHERS, GHAZALS, NAZMS AND EBOOKS.

نہ توڑ آس دلِ بیقرار رہنے دے
ابھی کچھ اور یونہی انتظار رہنے دے

کبھی جو وقت پڑے تو بھلا سکوں تجھ کو
بس اتنا دل پہ مجھے اختیار رہنے دے

چمن میں ہم کو بُرا کیا ہے چمن سے رہنا
مگر جو رحمتِ برق و شرار رہنے دے

ابھی وہ گم ہے کسی "یاد" کے خیالوں میں
ابھی نہ چھیڑ نسیمِ بہار رہنے دے

سکوتِ غم کے اندھیرے سے جی لرزتا ہے
میں بے قرار سہی بے قرار رہنے دے